حفاظتِ دین کا ایجابی اسلوب

عبدالحمید خان عباسی٭
اسسٹنٹ پروفیسر٭شعبہ قرآن وتفسیر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

حفاظتِ دین درحقیقت تکریم انسانیت کے سلسلہ میں ہے کیونکہ دیگر تمام حیوانات کے مقابلہ میں دین کی جانب رجحان اور اس کی طرف جذبات عقیدت رکھنا انسان کی خالص تخلیقی صفت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس اعتقاد کو صحیح طور وطریقہ پر محفوظ رکھا جائے۔ اس مضمون میں چونکہ صرف دین کی حفاظت کے ایجابی اسلوب کو زیر بحث لایا جائے گا اس لیے ابتداءً دین کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کامل دین صرف اسلام ہے۔ ایمان اور اعمال میں بہت گہرا ربط وتعلق ہے۔ پھر بشریت کے لیے دین کی ضرورت کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اس ضمن میں تین طرح سے دین کے معنی کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک دین بمعنی وحی، دوسرے دین بمعنی الایمان باللہ اور تیسرے دین بمعنی احکام شریعت۔ اس کے بعد حفاظت دین کے ایجابی اسلوب کے درج ذیل شعبوں یا دائروں کو تھوڑا سا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے:

۱۔ دین کا ایمانی دائرہ

اس میں عقائد (ایمانیات) ثلاثہ: توحید، رسالت اور آخرت کو بیان کیا گیا ہے اور مقاصد شریعہ کے حوالے سے ان عقائد کے مقاصد کو خصوصاً اجاگر کیا گیا ہے۔

۲۔ دین کا اسلامی دائرہ

اس میں عبادات کو بیان کیا گیا ہے اور مقاصد شریعہ کے تناظر میں مجموعی طور پر عبادات کے اغراض ومقاصد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳۔ دین کا احسانی دائرہ

اس حصہ میں نفلی عبادات اور بنیادی اخلاقی فضائل کو زیر بحث لایا گیا ہے کیونکہ دین کے اس دائرہ کی تکمیل نفلی عبادات اور بنیادی اخلاقی اقدار سے ہوتی ہے۔

اس طرح یہ مضمون دین کے تین مختلف دائروں کی توضیح پر مشتمل ہے، ایمانی دائرہ، اسلامی دائرہ، اور احسانی دائرہ۔

دین کا مفہوم

الف۔ دین کا لغوی مفہوم

لفظ ''دین'' عربی زبان کا لفظ ہے جو کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ملکیت، غلبہ، عزت، خدمت، احسان، اکراہ، غلبہ، عبادت، خضوع (عاجزی)، اطاعت (فرمانبرداری)، مذہب، مسلک، دھرم، سیرت، طریقہ، پرہیزگاری، ایمان، جزاء، بدلہ، قانون، دستور اور ضابطہ وغیرہ (۱)

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ: ''دین کے معنی اطاعت اور جزاء کے ہیں پھر شریعت کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے دین اور ملت کا ایک ہی معنی ہے، اس لحاظ سے شریعت کے سامنے اپنی گردن تسلیم خم کرنا لازم ہے'' (۲)۔

ب۔ دین کا اصطلاحی مفہوم

شرعی اصطلاح میں دین کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ان اعتقادی و عملی قوانین پر ہوتا ہے۔ جنہیں انبیاء و رسل کے ذریعہ بندوں کو دیا گیا تاکہ ان کی روشنی میں وہ صحیح اعتقاد اور عمل و کردار کی بھلائی سے مزین ہوسکیں اور ان قوانین کے ماموارت و منہیات پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر سکیں (۳)۔

علماءِ شریعت نے ان الفاظ میں دین کی تعریف کی ہے:

''وضع إلهٰی سائق لذوی العقولَ السلیمةباختیارهم المحودإلی الصلاح فی الحال ، والفلاح فی المآل'' (۴)

(دین وہ قانون الٰہی ہے جو اصحاب عقل سلیم کو ان کے اختیار سے دنیا کی بھلائی اور آخرت کی کامیابی کی طرف لے جاتا ہے)۔

دنیا و آخرت دین کے دو شعبے ہیں

دین کے حقیقت میں دو شعبے ہیں: ایک کو دنیا کہتے ہیں اور دوسرے کو آخرت۔ دین ایک کل ہے اور دنیا و آخرت اس کے اجزاء ہیں۔ نہ تنہا دنیا کا نام دین ہے اور نہ فقط آخرت کا نام دین ہے بلکہ دین بیک وقت دنیا و آخرت پر حاوی ہے اور ایک کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس شخص نے دین کو فقط دنیا پر حاوی قرار دیا اس نے بھی دین کے ایک بازو کو کاٹ دیا اور جس نے اسے فقط آخرت پر محمول کیا اس نے بھی دین کے ایک بازو کو الگ کر کے رکھ دیا (۵)

حضور اکرم ﷺ نے جو تصورِ دین دیا ہے اس کی رو سے جہاں مسجد کے اندر کی زندگی دین ہے وہیں مسجد کے باہر کی زندگی بھی عین دین ہے۔ جہاں روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ جیسے معاملات دین کا حصہ ہیں وہیں ناپ تول، لین دین، تجارت و کاروبار اور اقتصادیات و سیاست سب ہی دین کا حصہ

ہیں۔ان کے درمیان کوئی فرق وامتیاز روانہیں رکھا جا سکتا، دونوں باہم لازم وملزوم ہیں(۶)

کامل دین کا مفہوم

کامل دین اصل میں ایمان اور اسلام (اعتقاد اور عمل) کے مجموعے کو کہتے ہیں۔لغت میں ایمان تصدیق سے عبارت ہے اور تصدیق دل سے ہوتی ہے۔

ارشادربانی ہے:

﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ﴾(۷)

(اور آپ ہماری بات کو گو ہم سچ ہی کہتے ہوں باور نہیں کریں گے)۔

دین کا دارومدار ایمان پر ہے۔ایمان دین کا مغز اور جوہر ہے، چنانچہ شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں:

''الایمان هواصل الدين وجوهره،وعبارةعن اذعان النفس، ويستحيل ان يكون الاذعان بالا لزام والاكراه وانما يكون بالبيان والبراهين ''(۸)

(نماز دین کا اصل اور جوہر ہے اس سے مراد دل کا یقین ہے یہ ممکن نہیں کہ یقین جبر واکراہ (زبردستی) سے حاصل ہو، یہ تو دلائل وبراہین سے ہی حاصل ہوسکتا ہے)

ایمان حقیقت میں ایک کیفیت کا نام ہے جس کا معنیٰ الزجاج نے لسان العرب میں یوں بیان کیا ہے:

''الايمان هو اظهار الخضوع وقبول الشريعة ولما أتى به النبى ﷺ واعتقاده وتصديقه بالقلب فمن كان على هذه الصفة فهو مومن مسلم غير مرتاب ولا شاک''(۹)

(ایمان تو خضوع کے اظہار اور شریعت اور ان تمام باتوں کو قبول کرنے ،ان پر اعتقاد رکھنے اور ان کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے، جو نبی کریم ﷺ لے کر تشریف لائے جو اس صفت پر پورا اترے گا اور اس کے دل میں شک وشبہے کی گنجائش نہ ہوگی وہ مومن ہے)۔

ایمان کے اس معنی کی تصدیق خود قرآن کریم کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾(۱۰)

اس بحث سے ظاہر ہوا کہ ایمان قلبی تصدیق کو کہتے ہیں۔اسے اصل ایمان یا نفس ایمان کہتے ہیں۔یہ جب دل میں پیدا ہو جائے اور اچھی طرح گڑ جائے تو پھر زائل نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر کوئی

دشمن تلوار لے کر سر پر کھڑا ہو جائے اور حکم دے کہ زبان سے اقرار کرو کہ تمہارا خدا، رسول، فرشتوں اور قیامت پر ایمان نہیں ہے۔ وہ انسان اوپر سے اقرار بھی کر لے تو پھر بھی قلبی تصدیق زائل نہیں ہوتی کیونکہ وہ دل کی کیفیت کا نام ہے اور دشمن کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نے واضح فرما دیا ہے:

﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ﴾ (۱۱)

(کہ اگر کسی کو کلمہ کفر اداء کرنے پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس کا ایمان زائل نہیں ہوتا)

اس کے برعکس اگر دل میں شک اور تردد ہو اور محض زبان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے ایمان کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی زبانی تصدیق اس کے ایمان کی کوئی شہادت ہے۔ قرآن مجید کے آغاز ہی میں ''لا ریب فیه'' کے الفاظ اسی لیے لائے گئے ہیں کہ دین اسلام میں شک وشبہ اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے (۱۲)۔

زبانی اقرار کی حیثیت

چونکہ تصدیق قلبی یا اصل ایمان، یا نفس ایمان، ایک کیفیت کا نام ہے جو دل میں موجود ہوتی ہے۔ دوسرا آدمی اس سے واقف نہیں ہو سکتا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس لیے زبانی اقرار کو شرط قرار دیا گیا ہے کہ انسان زبان سے ایمان کا اظہار و اقرار کر کے بتائے کہ اس کے دل میں ضروریات دین کے لیے تصدیق موجود ہے اور یہ تمام امور پر دل و جان سے یقین رکھتا ہے (۱۳)۔

کامل ایمان

انسان کا ایمان کامل اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایمان لانے کے بعد زبان سے اس کا اقرار بھی کرتا ہے اور اعمال صالحہ کے ذریعے اپنے دعوے کی صداقت کا ثبوت بھی دیتا ہے۔ گویا قلبی تصدیق، زبانی اقرار اور نیک اعمال کے مجموعے کا نام ''کامل ایمان'' ہے۔ اس کامل ایمان کو قوت عطا کرنے والے اعمال دو طرح کے ہیں: ایک عبادات اور دوسرے معاملات:

الف۔ عبادات

عبادات سے مراد وہ اعمال ہیں جو ایک بندہ اپنی عبودیت اور بندگی کا اظہار کرنے کے لیے انجام دیتا ہے۔ اس میں تمام ارکان اسلام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر و مناجات اور تلاوت قرآن وغیرہ آ جاتے ہیں۔ ان سے بندے کے ایمان کو خاص تقویت پہنچتی ہے۔

ب۔ معاملات

معاملات سے مراد وہ اعمال ہیں جو انسان مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کے لیے انجام دیتا ہے مثلاً

خیرات، قرض حسنہ، مالی امداد، مظلوم کی دادرسی، خوش خلقی، بزرگوں کا احترام، صلہ رحمی، رواداری، حسن سلوک، عفوودرگذر، عدل وانصاف اور ہر قسم کی نیکی جو کسی کی بگڑی سنوار دے، اسے خوشی اور تازگی عطا کردے، الجھن اور پریشانی دور کردے یا ذہنی اور روحانی سکون بخش دے (۱۴)۔

جہاں تک لفظ ''اسلام'' کا تعلق ہے تو لغت میں اس کے معنی ہیں تسلیم کرنا، فرمانبرداری کرنا، اطاعت کرنا۔ تصدیق دل سے ہوتی ہے اور زبان اس قلبی تصدیق کا اقرار کرتی ہے۔ فرمانبرداری قلب، جوارح (اعضاء) سے ہوتی ہے۔ پس دل سے مان لینا، زبان سے اقرار کرلینا اور جوارح سے اطاعت وفرمانبرداری کرنا سب اسلام میں شامل ہیں۔ اس طرح لغوی مفہوم کے لحاظ سے اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے۔ (۱۵)۔

کامل دین صرف اسلام ہے

کامل دین کا اطلاق حقیقت میں اس نظام زندگی پر ہوتا ہے جس نظام کے نفاذ کی خاطر نبی کریم ﷺ کو نبی بنا کر معبوث کیا گیا تا کہ وہ اس دین کو پوری دنیا کے ادیان پر غالب کردے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (۱۶)

(وہی اللہ تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے)

دوسری جگہ اسی ''دین'' کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (۱۷)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا ہے)

اسی اسلام کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (۱۸)

(بے شک (سچا اور کامل) دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَالْإِسْلَامِ دِيْنًافَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَفِي الْاٰخِرَةِمِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (۱۹)

(اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا)

ان آیات مبارکہ میں دین ایسے آفاقی اور دائمی نظام زندگی کو کہا گیا ہے جو ہر لحاظ سے اکمل ہے، جس کی صداقت اور حقانیت بالکل واضح ہے۔ جو اس نظام کے علاوہ کسی اور نظام کی جستجو و تلاش کرے گا تو وہ نظام اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل نہیں کرسکتا۔

ایمان اور اعمال کا ربط

کامل دین جسے اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت حاصل ہے اس میں ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایمان لانے سے جو نتائج و ثمرات انسان کو مل سکتے ہیں۔ ان کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے۔ دین میں داخل ہو جانے کے بعد دنیا کی بھلائی اور آخرت کی کامیابی اعمال صالحہ کے ذریعے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ ان اعمال کا ایمان پر اثر پڑتا ہے جس سے انسان کا ایمان بے حد مضبوط، طاقتور، ناقابل تسخیر اور شیطانی اثرات و خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے روحانی فوائد و اثرات بڑھ جاتے ہیں (۲۰)

بشریت کے لیے دین کی حاجت

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ دین کا اطلاق ان قوانین پر ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے وضع فرمایا اور انبیاء کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا تاکہ وہ ان قوانین کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں میں راہنمائی حاصل کرسکیں۔ انسانیت کے لیے دین الٰہی کی ضرورت کے حوالے سے دین کے درج ذیل تین معانی و مطالب بیان ہوئے ہیں:

الف۔ دین کا مطلب ہے وحی الٰہی جو انبیاء پر نازل ہوتی رہتی ہے۔

ب۔ دین کا مطلب ہے ایمانیات

ج۔ دین کا مطلب ہے وہ شرعی احکام جو لوگوں کے ظاہری احوال سے متعلق ہیں۔

ذیل میں ہر ایک معنی کی مختصر تشریح کی جاتی ہے (۲۱):

الف۔ دین بمعنی وحی الٰہی

وحی الٰہی عقائد و اعمال میں حق کی جانب انسان کی راہنمائی کرتی ہے۔ اسی وحی کے ذریعہ

سے دنیاوآخرت کے مصالح کی معرفت حاصل کی جاسکتی ہے۔اپنے مفادات کاتحفظ کیا جاسکتا ہےاور لوگوں کے درمیان عدل ومساوات قائم کیا جاسکتا ہے۔جب یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام پر وحی کے سلسلے کوختم فرما دیا ہےاور اسلام ہی کو بطور دین پسند فرمالیا ہےتو پھر دنیاوآخرت کی سعادتیں انسان صرف اسی صورت میں حاصل کرسکتا ہے کہ وہ پورے کا پورا اسلام میں داخل ہوجائے جیسا کہ ارشادربانی ہے:

﴿ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾(۲۲)

(اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ)

ب۔دین بمعنی الایمان باللہ

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا انسان کی بنیادی ضرورت ہے کیونکہ وہ دنیاوآخرت کے مصائب وشدائد سے محفوظ رہنا چاہتا ہے۔وہ اس دنیا میں مصیبتوں اور مشکلوں سے دوچار ہوتا ہے جن کا مقابلہ، وہ بنیادی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے ،نہیں کرسکتا۔نتیجۃً وہ مختلف قسم کی پریشانیوں اورنفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہےاور بعض دفعہ خودکشی تک کرلیتا ہے۔یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جب ایمان باللہ کا فقدان ہو یا اس میں کمزوری ہو۔

اس کے برعکس اگرانسان کا اللہ پر ایمان مضبوط ہوتو وہ پریشانیوں اور مصیبتوں میں صبروتحمل سے کام لے گا۔جس قدر اس کا ایمان واعتماد اللہ پر بڑھتا جائے گا اسی حساب سے اس کی قوت برداشت میں اضافہ ہوتا جائے گا حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان مصائب وحوادث کوچیلنج کرنے لگ جاتا ہے۔اس حقیقت کی وضاحت قرآن مجید میں کفروظلم کوللکارنے والے سچے مسلمانوں کے مذکور واقعات سے ہوتی ہے۔قرآن مجید میں فرعون اور جادوگروں کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب جادوگر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے تو فرعون نے انہیں مختلف قسم کی سزاؤں اوراذیتوں کی دھمکی دی لیکن ان کا صرف ایک جواب تھا کہ:

﴿ لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَ نَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاO اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ﴾(۲۳)

(جودلائل ہمارے پاس آگئے ہیں ان پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جوحکم دینا ہودے دیجئے اور آپ جوحکم

دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں (دے سکتے ہیں) ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (اسے بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کروایا)

یہ ایمانی قوت ہی کا ثمرہ تھا کہ جادوگروں نے فرعون کی طاقت اور عذاب کی دھمکیوں کے باوجود ثابت قدمی اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔

اسی طرح کی ایک مثال غزوۂ احزاب کے موقع پر ملتی ہے، جب عرب لشکروں کے سامنے سے مومن ثابت قدم رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَ حْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَازَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُوَ مَابَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً ﴾ (۲۴)

(اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہوگئی۔ مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہوگئے اور بعض ایسے ہین کہ انتظار کررہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر مومنوں کے متعلق فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْجَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ (۲۵)

(جب ان سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے)۔

انسان جس طرح دنیا کی زندگی میں ایمان باللہ کا محتاج ہے اس طرح آخرت کی زندگی کے لیے اس کا محتاج ہے کیونکہ آخرت میں ثواب صرف ان اعمال پر ملے گا جن کو اللہ پر ایمان کی حالت میں کیا گیا ہوگا اس کے برعکس جن اعمال صالحہ کو ایمان باللہ کی حالت میں نہ کیا ہوگا تو وہ ضائع ہوجائیں

گے اوران کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ا۔﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ هٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾(۲۶)۔

(اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے میدان میں ریت کا پیاسا اسے پانی سمجھے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔ اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اسے اس کا پورا پورا حساب چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے)

۲۔﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (۲۷)

(اور جو انہوں نے عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے)

۳۔﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّ تْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾(۲۸)۔

(جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ آندھی کے دن اس پر زور کی ہوا چلے اور اسے اڑا کر لے جائے (اسی طرح) جو کام وہ کرتے رہے ان پر ان کو کچھ دسترس نہ ہوگی۔ یہی تو پرلے سرے کی گمراہی ہے)

ج۔ دین بمعنی احکام شریعت

اگر دین کا اطلاق احکام شریعت پر ہو تو لوگوں کے انفرادی و اجتماعی دونوں طرح کے مصالح کا اعتبار ہوگا۔ اسی صورت میں ان کے لیے ایسے شرعی احکام (دین) کا ہونا ضروری ہے جن میں ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے واضح ہدایات موجود ہوں اور جن میں عدل و مساوات کی ضمانت بھی ہو۔ اب یہ سارا کچھ نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے شرعی احکام میں موجود ہے۔ یہ احکام ان کے ہر طرح کے مصالح (مفادات) کا تحفظ بھی کر سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ مضرتوں (نقصانات) سے بچا بھی سکتے ہیں۔

حفاظت دین کے اسالیب

اوپر مختلف اعتبارات اور پہلوؤں سے دین کے معانی و مطالب کو بیان کرتے ہوئے بتایا

لیا ہے کہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں انسان دین کا محتاج ہے۔لہذا اس کی حفاظت انسان کی اولین ضرورت ہے۔علماء شریعت نے حفاظت دین کے دو اسلوب متعین کیے ہیں:

ایک کا نام ایجابی اسلوب ہے اور دوسرے کا سلبی۔ یہاں صرف ایجابی طریقہ کو بالاختصار بیان کیا جاتا ہے۔رہا ایجابی طریقہ تو اسے انشاءاللہ آئندہ ایک مستقل مضمون میں بیان کیا جائے گا۔

حفاظت دین کا ایجابی اسلوب

ایجابی اسلوب کا مطلب ہے دین کو حاصل کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اس کی حفاظت کرنا کیونکہ دین انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا، نظام حیات کی حقیقی اساس اور شرف انسانی کا واحد معیار ہے۔علماء شریعت نے حفاظت دین کے اس ایجابی اسلوب کے اعتبار سے دین کے تین دائرے یا تین درجات متعین کیے ہیں: ایمانی دائرہ، اسلامی دائرہ اور اخلاقی دائرہ۔

اوّلا: دین کا ایمانی دائرہ

اس دائرہ میں توحید، رسالت اور آخرت شامل ہیں۔ان تینوں پر ان کے تمام متعلقات سمیت پختہ اعتقاد، راسخ ایمان اور کامل یقین رکھنا ضروری ہے۔

الف۔ ایمان باللہ

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز ایمان باللہ ہے۔ باقی جتنے اعتقادات و ایمانیات ہیں سب اسی ایک اصل کی شاخیں ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور تمدنی قوانین ہیں سب اسی مرکز سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ان سب امور کا مصدر و مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ملائکہ پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ اللہ کے ملائکہ ہیں۔کتابوں پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہیں۔رسولوں پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔یوم آخر پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ اللہ کے انصاف کا دن ہے۔فرائض اس لیے فرائض ہیں کہ اللہ نے ان کو مقرر کیا ہے۔حقوق اس لیے حقوق ہیں کہ وہ اللہ کے حکم پر مبنی ہیں............غرض ہر چیز جو اسلام میں ہے خواہ عقیدہ ہو یا عمل، اس کی بنیاد صرف ایمان باللہ پر قائم ہے۔

ایمان باللہ کے حصول کے ذرائع

الف۔وحی

ایمان باللہ کو اس کے لوازم و تقاضوں سمیت حاصل کرنے کا انتہائی قابل و اعتماد ذریعہ وحی ہے۔اس کی وساطت سے بندہ کو بآسانی ذات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہی تو اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتا ہے۔اس طرح دونوں کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

ب۔کائنات میں تدبر و تفکر

کائنات کے جملہ اجزاء میں باریک بینی کے ساتھ تدبر و تفکر کرنے کی جو قرآنی دعوت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کا ایسا ذریعہ ہے جس سے انکار کرنا محال ہے۔قرآن مجید کی متعدد آیات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں مثلاً:

۱۔﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾(۲۹)

(آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں)

۲۔﴿وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾(۳۰)

(اور اسی کی نشانیوں میں سے رات،دن اور سورج و چاند ہیں)

۳۔﴿وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا...... تَشْكُرُوْنَ﴾(۳۱)

(وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھا......)

ان آیات کے ساتھ سورۃ سورۃ الحجر (۱۹) کی آیت ۱۹ تا ۲۰،سورۃ طٰہٰ (۲۰) کی آیت ۵۳۔۵۴،سورۃ البقرہ (۲) کی آیت ۱۶۴،سورۃ یسٰین (۳۶) کی آیت ۳۷ اور سورۃ النحل (۱۶) کی آیت نمبر۱۰ کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

یہ آیات اور جوان کے علاوہ ہیں انسان کو بتاتی ہیں کہ وہ مظاہر فطرت میں غور کرے اور دیکھے کہ ان کا خالق کون ہے جس نے اس عمدگی کے ساتھ ہر چیز کو بنایا ہے؟ تو نتیجۃً وہ بآسانی اقرار کر لے گا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے جس نے سب کچھ بنایا ہے۔لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ج۔اپنی ذات میں تدبر و تفکر

ایمان باللہ کے حصول کے وسائل میں سے ایک وسیلہ انسان کا اپنے نفس میں غور و فکر کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیسے عدم سے وجود میں آیا ہے اور کس نے اسے اتنی اچھی صورت میں پیدا کیا ہے؟ ایسی غور و فکر کے بعد عقل سلیم کا مالک انسان فوراً اعتراف کر لے گا کہ وہ ایک خالق کی مخلوق ہے جسے ماننا

ضروری ہے۔قرآن مجید کی کئی ایک آیات میں انسان کی تخلیق کو بیان کیا گیا ہے مثلاً:

۱۔﴿يَآيُّهَا الْإِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ (۳۲)

(اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے اس رب کریم کے متعلق دھوکے میں ڈال دیا ہے۔(وہی تو ہے) جس نے تجھے پیدا کیا اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک کیا اور (تیری قامت) کو معتدل رکھا۔اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا)۔

۲۔﴿ فلینظر الانسان مم خلق. خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترآب﴾(۳۳)

(تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے)

۳۔﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى﴾(۳۴)

(کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا)۔

اسی طرح سورۃ المومنون کی آیت ۱۲تا۱۴ اور سورۃ الواقعہ کی آیت ۵۸ تا ۵۹ وغیرہ کو بھی دیکھ لیا جائے تو انسان اپنی اصلیت سے آشنا ہو جائے گا اور اپنے مقام کو پہچانتے ہوئے یہ کہے گا کہ اے اللہ تو ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور آئندہ تیری ہی عبادت کروں گا۔

غور وفکر کی افادیت

کائنات میں اور انسان کے اپنے نفس میں غور وفکر کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کی وساطت سے اپنے خالق و رب کے وجود و وحدانیت اور اس کی صفات پر ایمان لے آتا ہے۔اس کی زبان تعلیمات وحی کی صداقت پر یقین کر لیتی ہے اور اس کے جوارح اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے سامنے جھک جاتے ہیں۔نتیجہ کے طور پر وہ صرف اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا شروع کر دیتا ہے۔

جب مختلف ذرائع و وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا ہے تو اسے بہت سارے فوائد حاصل ہو جاتے ہیں جیسے وسعت نظری، خودداری، انکساری، اطمینان قلب، صبر و تحمل، شجاعت و بہادری، قناعت و استغناء، احساس ذمہ داری اور تقویٰ و پرہیزگاری وغیرہ (۳۵)۔

۲۔ ایمان بالرسل

اسلامی شریعت میں ایمان بالرسل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے انبیاء ورسل ہیں ان پر پختہ اعتقاد راسخ ایمان اور کامل یقین ہو۔ یہ دین اسلام کا دوسرا ایمانی اصول ہے۔تمام انبیاء چونکہ اللہ کی طرف سے اسلام پھیلانے آئے تھے۔اس لیے وہ تمام ایک ہی امت کے لوگ تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو جھٹلانا تمام دوسرے پیغمبروں کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔لہذا ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائے کیونکہ توحید اور آخرت وغیرہ چیزوں کی خبر ان ہی حضرات کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے۔

بعثت انبیاء کی غرض وغایت

الف۔ بھولے ہوئے عہد کی یاد دہانی

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اس روز الست کے بھولے ہوئے ازلی عہد وپیمان بندگی کی یاد دہانی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاِذْاَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾(۳۶)

(اور جب تیرے رب نے بنی آدم کو پیٹھوں سے ان کی نسلوں سے عہد لیا اور ان کو خود اپنے اوپر آپ گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔انہوں نے کہا کیوں نہیں تو ہے،ہم نے گواہی دی کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو ہم اس کو بھول گئے تھے)

ب۔ اتمام حجت

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس کا وجود بنی آدم پر اتمام حجت ہے،ممکن ہے کہ آدم کے فرزند یہ بجا عذر کریں کہ ہمارے پاس کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا۔اس لیے فرمایا:

﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِ رِیْنَ لِئَلَّا یَکُونَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾(۳۷)

ج۔ حق کی طرف راہنمائی کرنا

انبیاء ورسل کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق کی روشنی میں لانا۔لوگ جب فاسد خیالات ،بیہودہ افکار، بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر فطری بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتے ہیں تو انبیاءؑ ان اندھوں کے

ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے انوار میں لاتے ہیں، ان کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق اور ظلمت کے بجائے نور عطا کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾(۳۸)

(وہی اللہ جو اپنے بندوں پر کھلی آیات اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے نور میں لائے)

د۔ عدل وتوازن قائم رکھنا

اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً انبیاء ورسل کو اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ وہ شریعت الٰہیہ کے مطابق انسانیت کو زندگی کے تمام شعبوں میں عدل وتوازن برقرار رکھنے کی ہدایت کریں، ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْاَرْسَلْنَارُسُلَنَابِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَامَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۳۹)

(ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں)۔

واضح رہے کہ انبیاء کی بعثت کی یہ غرض وغایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق عدل اور توازن کو قائم رکھیں اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن وسلامتی کے لیے ہے............آج جہاں بھی عدل ومیزان کا وجود ہے، وہ طبقہ انبیاء ہی کے بے واسطہ یا بالواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بدترین مبلغ سہی مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نیکوکاری، حسن خلق کی تعلیم وتبلیغ اور دعوت ان ہی کی زبانوں سے ہو رہی ہے جو رسولوں کے پیروکار اور پیغمبروں کے تابع ہیں۔ اس لیے انبیاء کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر ظاہر ہوا ہے اور قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار ''رحمۃً وھدی'' رحمت اور راہنمائی کی غرض سے بھیجنے کا جو اعلان کیا ہے وہ تمام تر اسی غرض وغایت کی تشریح ہے اور اسی لیے خاتم نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات تمام عالم کے لیے رحمت بن کر آئی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾(۴۰)

(اور ہم نے آپ کو (اے محمد ﷺ) تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا)۔

مختصر یہ ہے کہ ''اگر اس کائنات میں انبیاء ورسل کو مبعوث نہ کیا جاتا اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کتابوں اور صحیفوں کے ذریعے بنی نوع انسان تک ہدایت کا پیغام پہنچا دیتا تو ان تعلیمات کے بنی نوع انسان تک پہنچنے کے باوجود منشاء ہدایت ہرگز پورا نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ ایسی ہستیاں

دنیا میں بھیجی جائیں جو اس کی رضا اور ہدایت کا پیکر بن کر خود کو دنیا کے سامنے پیش کریں'' (۴۱)

بعثت نبوی ﷺ کی ضرورت

جب انسانیت اپنے انبیاء کی تعلیمات کو اپنی غفلت سے گم اور اپنی شرارت سے مسخ کر بیٹھی، جہالت و کفر کے اندھیرے چار سو چھا گئے۔ ایک جگہ کی خرافات و جاہلانہ رسوم ورواج دوسرے مقامات پر پھیلنے لگیں انسانی بستیوں کے روابط استوار ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو اس وقت کی معروف دنیا کے عین وسط میں عربوں کے اندر مبعوث فرمایا اور انہیں وہ آخری ہدایت وراہنمائی کی کتاب دے کر بھیجا جسے ہم قرآن مجید کہتے ہیں اور انسانوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیا، ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (۴۲)

(بے شک ہم نے ہی نازل کی ہے یہ کتاب نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)

۳۔ الایمان بالیوم الاخر

اسلامی عقائد کی رو سے جہاں ایک انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہیں اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آخرت پر بھی یقین رکھے۔ ایمان بالیوم الآخر (آخری دن پر ایمان) یا عقیدہ آخرت اسلام کا تیسرا بنیادی اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں ان میں آخرت پر ایمان لانا سرفہرست ہے۔ اس عقیدے کی اہمیت اس قدر زیادہ اور ضروری ہے کہ قرآن مجید میں تقریباً ہر جگہ جہاں اللہ پر ایمان کا ذکر آیا ہے وہاں ساتھ ہی آخرت پر ایمان کا ذکر بھی بیان ہوا ہے مثلاً: ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (۴۳)۔

۴۔ آخرت پر ایمان کے مقاصد

عقیدہ آخرت کے کئی اغراض و مقاصد میں سے چند ایک یہ ہیں:

الف۔ تقویٰ و پرہیز گاری

اس عقیدہ کا مقصد انسان میں تقویٰ و پرہیز گاری کی صفت پیدا کرنا ہے جب تک وہ آخرت کی زندگی اور اس دنیا کی زندگی کے حساب پر یقین نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ سے صحیح معنوں میں ڈر نہیں سکتا عملی زندگی میں تقویٰ (خداخوفی) ایک ایسا آلہ ہے جو انسان کو نیکی کی تحریک دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (۴۴)

(اے اہل ایمان اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے)۔

یعنی حتی المقدور تقویٰ اختیار کرو۔ پھر اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ دل و دماغ میں آخرت اور جزا و سزا کا پختہ یقین پیدا کرو۔ ساتھ ہی یہ واضح کر دیا گیا کہ جس کے دل میں خوف آخرت موجود نہیں وہ شخص صفت تقویٰ سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَكَيْفَ تَتَّقُوْ نَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا.السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌبِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولاً﴾(۴۵)

(پھر تم کیسے صاحب تقویٰ ہو سکتے ہو، اگر اس دن کا انکار کرو جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس سے آسمان پھٹ جائے گا۔ اس کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا)

ب۔ جوابدہی کا احساس

عقیدۂ آخرت کے مقاصد میں سے ایک مقصد انسان میں جوابدہی کا احساس پیدا کرنا اور اسے یہ بتانا ہے کہ وہ اس دنیا میں آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا کہ من مانیاں کرتا پھرے اور دوسروں پر ظلم و ستم کرتا رہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس کی بدولت انسان خود کو ایک ذمہ دار اور جواب دہ سمجھ کر اپنے اعمال و افعال کا تجزیہ کر سکتا ہے۔

ج۔ شجاعت و بہادری

شجاعت و بہادری کا جذبہ پیدا کرنا آخرت پر یقین کے اغراض میں سے ہے۔ مسلمان اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کر دینے والا شہید کہلاتا ہے جو مرتا نہیں بلکہ دائمی زندگی کا مالک بن جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (۴۶)۔(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا)۔

د۔ صبر و تحمل

اس عقیدہ کی بدولت انسان میں صبر و تحمل کا جذبہ پیدا کر کے اسے مشکل ترین حالات میں ثابت قدم رہنے کا عادی بنانا ہے۔ آخرت پر یقین رکھنے والے کو علم ہوتا ہے کہ اسے صبر کے نتیجہ میں بہت ثواب دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾(۴۷)

(جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا)

ر۔ فضائل اخلاق

فضائل اخلاق سے مزین ہونا اور رزائل اخلاق سے دور رہنا انسان کی بنیادی ضرورت ہے ۔اس عقیدے میں ایمان رکھنے سے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ عقیدہ انسانی زندگی کو تمام ناپاکیوں سے دھو دیتا ہے اس لیے یہ عقیدہ نہ صرف افعال پر پابندیاں عائد کرتا ہے بلکہ ذہن وضمیر کو بھی متاثر کرتا ہے، جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں کی شدت اور جنت کی لازوال مسرتوں کی کشش اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا تصور انسان کو صحیح معنوں میں انسان اور بااخلاق بنا دیتے ہیں۔ یوم آخرت پر ایمان نہ لانے کی حالت میں انسان کے اخلاق واعمال میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔مثلاً انسان اپنے آپ کو مطلق العنان اور غیر ذمہ دار سمجھنے لگتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ نہ اس کے کام کا کوئی نگران ہے اور نہ اس سے کوئی حساب لینے والا ہے، وہ متکبر اور سرکش ہو جاتا ہے، وہ سنگدل، تنگ نظر، ریاکار، خودغرض اور عبادت الٰہی سے روگرداں ہو جاتا ہے ہر کام میں وہ حق سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن اس عقیدے میں یقین لانے سے انسان خدا پرست، دین دار، روادار، خوش اخلاق، وسیع النظر اور خادم خلق ہو جاتا ہے۔

س۔ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ

یوم آخرت پر یقین کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ اسے بھی فائدہ ہو اور دوسروں کو بھی انسان کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال ضائع نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہوتا رہتا ہے اور آخرت کی زندگی کا خزانہ بنتا رہتا ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (۴۸)

(اس کی راہ میں خرچ کرو اور ہاتھ روک کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (۴۹)

(جو کچھ تم خیرات کرو گے اس کا پورا اجر تم کو ملے گا اور تمہارے ساتھ ظلم نہ ہوگا)

ثانیا: دین کا اسلامی دائرہ

اصولی عقائد (توحید، رسالت، آخرت) پر پختہ یقین اور ان کے اغراض و مقاصد کی معرفت حاصل ہو جانے کے بعد دین کے اسلامی دائرے کا درجہ آتا ہے۔ اس دائرے میں مقاصد شریعہ کے حوالے سے اصولی (لازمی) عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) شامل ہیں۔

عبادت کا مفہوم

عبادت کا لفظی معنی اپنی عاجزی اور درماندگی کا اظہار ہے اور اصطلاح شریعت میں خدائے عزوجل کے سامنے اپنی بندگی اور عبودیت کے نذرانہ کو پیش کرنا اور اس کے احکام کو بجالانا ہے (۵۰)۔

عبادات کے اغراض و مقاصد

اسلامی شریعت میں متعدد اغراض و مقاصد کے حصول کی خاطر عبادات کا نظام قائم کیا گیا ہے، چند بڑے بڑے مقاصد درج ذیل ہیں:

الف۔ انسان کو حقیقی مقام یاد دلانا

عبادات انسان کو کائنات میں اس کا حقیقی مقام یاد دلاتی ہیں اور اس کے اندر یہ احساس پیدا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے صرف دنیا کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لیے پیدا نہیں فرمایا ہے بلکہ اس کی تخلیق اعلیٰ و ارفع مقاصد کے پیش نظر ہوتی ہے۔ جب عبادات کے ذریعے انسان کو اپنے مقام کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ حیوانیت کے دائرہ سے نکل کر انسانیت کے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے جس میں اسے اپنی تخلیق کے مقاصد، اپنے خالق کے مطالبات اور ابدی حیات کی حیثیت کا علم ہو جاتا ہے۔ اسے اس مقام پر پہنچنے کے لیے ایمان کے ساتھ ساتھ اطاعت بھی ضروری ہے (۵۱)

ب۔ معبود سے تعلق استوار کرنا

عبادات کا مقصد ہے عابد کا اپنے معبود سے براہ راست ربط و تعلق استوار کرنا۔ یہ مقصد صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ عابد اپنی عبادت کے اندر معبود کے، شریعت میں مقررہ کردہ تقاضوں کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے۔ جس قدر وہ تقاضے پورا کرتا جائے گا اسی قدر اللہ تعالیٰ سے اس کا ربط پختہ و مستحکم ہوتا جائے گا۔ عبادات کے ذریعے حاصل ہونے والا یہ ربط و تعلق دیگر تمام دنیوی روابط و تعلقات کے مقابلہ میں اعلیٰ و ارفع ہوگا۔ جس آدمی نے ایسا رابطہ اپنے خالق و معبود سے قائم کر لیا تو یقیناً وہ ''عبداللہ'' کہلانے کا مستحق ہوگا (۵۲)

عابد کا اپنے معبود سے اس نوعیت کا مضبوط و پختہ تعلق دیگر دنیوی تعلقات کے اعتراف سے منع نہیں کرتا لیکن یہ ضروری ہے کہ دیگر جملہ تعلقات خالق کے ساتھ تعلقات سے نچلے درجے کے ہوں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (۵۳)

(کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا)

ج۔ حصول تقویٰ

عبادت کو دل کی پاکیزگی، روح کی صفائی اور عمل کے اخلاص کی غرض و غایت بنا دیا گیا ہے اور یہی ''عبادت'' ہے اسلامی شریعت کا اصلی مقصود ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (۵۴)

(اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو تم سے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو)

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ عبادت کی غرض و غایت محض حصول تقویٰ ہے۔ تقویٰ انسان کے قلب کی وہ کیفیت ہے جس سے دل میں تمام نیک کاموں کی تحریک اور برے کاموں سے نفرت ہوتی ...... اسی کیفیت کا پیدا کرنا اسلام میں عبادت کی اصلی غرض ہے، نماز، روزہ اور تمام عبادتیں سب اسی کے حصول کی خاطر ہیں (۵۵)

د۔ خیر و فلاح پھیلانے کا سبب

عبادات سے اسلامی شریعت کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان خیر و فلاح کو پھیلا دیا جائے۔ ان کے دلوں کو نور ایمان اور خوفِ خدا سے بھر دیا جائے۔ فضائل اخلاق سے انہیں مزین اور رزائل اخلاق سے دور رکھا جائے اور ان میں اتحاد و اتفاق کی فضاء پیدا کر دی جائے تا کہ سب لوگ جسد واحد کی طرح ہو جائیں۔ ہر شخص دوسرے کے لیے وہی پسند کرنا شروع کر دے جو وہ خود اپنے لیے پسند

کرتا ہے۔(۵۶)۔

ر۔ انسان میں عاجزی وانکساری پیدا کرنا

اسلامی شریعت میں عبادات کی غرض بندے میں عاجزی و انکساری پیدا کرنا بھی ہے۔ عبادات درماندگی کے ایک ایسے انداز کا نام ہے جس کا ظہور عابد کے دل سے اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے حقیقی معبود کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کہ خود اپنی آنکھوں سے اس کا دیدار کررہا ہے۔ اس نوعیت کی عاجزی اور حضوری کے لیے معبود کی معرفت کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ پھر عابد کے دل کا ایمانی نور سے منور ہو جانے کا مرحلہ آتا ہے۔ آخر میں اس کے اعضاء مطیع ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے رب کے جلال کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔(۵۷)۔

مختصر یہ کہ جملہ عبادات اصل میں علاج نفس کی حکیمانہ تدبیریں ہیں اور عبادتوں میں خود انسان کی انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود کی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے تصور کو زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بنا کر انسان کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو مشیت ایزدی کے سانچے میں ڈھالے اور اخلاق وانسانیت کی اس بلندی کو حاصل کرے جو عبادت و معرفت کا مقصود اعلیٰ ہے (۵۸).

عبادات کے ان اغراض و مقاصد اور ان کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کی تخلیق ہی ان کو بجالانے کے لیے ہوئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (۵۹)۔(میں نے انسانوں کو اور جنوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں)۔

عبادات کا مقام

۱۔ دین کی تحصیل واقامت اور تکمیل وحفاظت کے لیے عبادات اساسی رکن کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۲۔ عبادات اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست ربط وتعلق کا ایک عملی مظاہرہ ہیں۔

۳۔ عبادات میں خالق کائنات کے وجود کی تصدیق واعتراف ہے۔

۴۔ عبادات سے انسان کے عقیدے وایمان کی نوعیت وکیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔

۵۔ عبادات عقائد کو جلا بخشتی ہیں۔ ان سے قوت بھی حاصل کرتی ہیں اور انہیں قوت دیتی بھی ہیں۔

۶۔ عقائد آدمی سے عمل کا تقاضا کرتے ہیں۔ عبادات اس تقاضا کو پورا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

یہ اعلیٰ و ارفع اغراض و مقاصد اور فوائد وثمرات واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ عبادات سب سے اہم مصلحت یعنی حفاظت دین کا وسیلہ ہیں۔ یہ دینی عمارت کے لیے ستون ہیں جن پر پوری

عمارت قائم ہے جیسا کہ حدیث رسول ﷺ میں ہے:

﴿بنی الإسلام علی خمس :شهادةان لااله الا الله وان محمداً عبده ورسوله،اقام الصلوة،وایتاء الزکوة،وحج البیت،وصوم، رمضان﴾(۶۰)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے،اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور اکرم ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں،نماز قائم کرنا،زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا''

ارکان اربعہ کے متعلقات

نماز،روزہ،زکوٰۃ،اور حج کو ارکان اربعہ یا اصول اربعہ یا فرائض اربعہ کہتے ہیں۔درحقیقت یہ چاروں فرائض انسان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں کو چار مختلف عنوانوں میں الگ الگ تقسیم کر دیتے ہیں۔اس لیے ان چار فرضوں کو بجا طور سے انسان کے اچھے اعمال اور کاموں کے چار اصول کہہ سکتے ہیں:

۱۔ بندوں کے وہ تمام اچھے کام اور نیک اعمال جن کا تعلق تنہا خالق و مخلوق سے ہے،ایک مستقل باب ہے،جس کا عنوان نماز ہے۔

۲۔ وہ تمام اچھے اور نیک کام جو ہر انسان دوسرے کے فائدہ اور آرام کے لیے کرتا ہے۔صدقہ اور زکوٰۃ ہے۔

۳۔ اللہ کی راہ میں ہر قسم کی جسمانی اور جانی قربانی کرنا،کسی اچھے مقصد کے حصول کے لیے تکلیف اور مشقت جھیلنا اور نفس کو اس تن پروری اور مادی خواہشوں کی نجاست اور آلودگی سے پاک رکھنا،جو کسی اعلیٰ مقصد کی راہ میں حائل ہوں روزہ ہے یا یوں کہیے کہ ایثار و قربانی کے تمام جزئیات کی سرخی روزہ ہے۔

۴۔ ۔یائے اسلام میں ملت ابراہیمی کی برادری اور اخوت کی مجسم تشکیل و تنظیم،مرکزی رشتہ اتحاد کا قیام اور اس مرکز کی آبادی اور کسب روزی کے لیے ذاتی کوشش اور محنت کے باب کا عنوان حج ہے۔

غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کام ان ہی اصول چارگانہ میں داخل ہیں،اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:''اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ توحید و رسالت کا اقرار کرنا،نماز پڑھنا،روزہ رکھنا زکوٰۃ دینا اور حج کرنا''۔

پہلی چیز میں عقائد کا تمام دفتر سمٹ جاتا ہے اور بقیہ چار چیزیں ایک مسلمان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں کو محیط ہیں۔ ان ہی ستونوں پر اسلام کی وسیع اور عظیم الشان عمارت قائم ہے (٦١)

اس تقریر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ یہ چاروں فرض عبادتیں اصل مطلوب بالذات نہیں ہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ یہ چاروں عبادتیں اپنی تمام جزئیات باب اور محتویات (مشتملات) کے ساتھ فرض ہیں۔ جو شخص صرف ان چاروں فرائض کو جو عنوان باب ہیں ادا کرتا ہے اور اس باب کے نیچے مندرجہ جزئیات سے پہلو تہی کرتا ہے، اس کی عبادت ناقص اور اس کی اطاعت نامکمل ہے اور اس کے لیے دنیا و آخرت کی وہ فلاح و کامرانی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے مشکوک ہے۔ یہیں سے یہ شبہ زائل ہوتا ہے کہ ہماری نمازیں، ہم کو برائیوں سے کیوں باز نہیں رکھتیں، ہمارے روزے ہم کو تقویٰ کی دولت کیوں نہیں بخشتے، ہماری زکوۃ ہمارے دلوں کو پاک وصاف کیوں نہیں کرتی، ہمارا حج ہمارے گناہوں کی مغفرت کا باعث کیوں نہیں بنتا اور قرنِ اولی کی طرح ہماری نمازیں ملکوں کو فتح اور ہماری زکوتیں ہمارے قومی افلاس کو دور کیوں نہیں کرتیں اور ہمارے سامنے دنیا برکات کا انبار کیوں نہیں لگ جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (سورۃ النور (۲۴): ۵۴

(اللہ نے ان سے جو ایمان رکھتے ہیں، اور تمام نیک کام کرتے ہیں، یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا)۔

کامل ایمان اور نیک اعمال کے بغیر اس وعدہ ایفائی کی توقع رکھنا حماقت ہے۔

اسلام تو آیا ہی اسی لیے ہے کہ اپنے ماننے والوں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہانوں کی بادشاہیاں رکھ دیے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عبادات کے مفہوم کو اس وسعت کے ساتھ سمجھا جائے جو اسلام کا منشا ہے اور اسی وسعت کے ساتھ اس کو ادا کیا جائے جو اسلام کا مطالبہ ہے (۲٦)۔

ثالثاً: دین کا احسانی دائرہ

دین کا احسانی دائرہ نفلی عبادات اور بنیادی اخلاقی اقدار پر مشتمل ہے:

الف۔ نفلی عبادات

جملہ نفلی عبادات فرضی عبادات کے تابع ہوتی ہیں، فرضی عبادات نماز، زکوۃ، روزہ اور حج پر مشتمل ہیں۔ یہی عبادات فرضی بھی ہوتی ہیں اور نفلی بھی۔ فرضی ہونے کی صورت میں یہ اصل ہیں اور نفلی

ہونے کی صورت میں یہ فرضی عبادات کا تتمہ اور ان ہی کے دائرہ میں داخل ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن اگر کسی کی فرض نمازوں میں نقص ہوا تو نفلی نمازوں سے اس نقص کو پورا کیا جائے گا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"ان اول مایحاسب به العبدیوم القیامةالصلاةالمکتوبة،فان اتمها والاقیل:انظرواهل له من تطوع فان کان له تطوع اکملت الفریضةمن تطوع،ثم یفعل بسائرالاعمال المفروضةمثل ذلک"(۶۳)

(قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے فرضی نمازوں کے متعلق حساب ہوگا ،اگر وہ پوری ہوگئیں تو ٹھیک ہے اور اگر نہ ہوئیں تو کہا جائے گا کہ دیکھو اس کی نفل نمازیں ہیں، اگر ہوئیں تو ان سے فرائض کی کمی کو پورا کیا جائے گا۔ اسی طرح کا برتاؤ تمام فرائض کے ساتھ ہوگا کہ ان کی کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا)۔

یہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ فرائض کی کمی، خواہ یہ نماز میں ہو، یا زکوٰۃ میں، روزہ میں ہو یا حج میں، کو نوافل پورا کریں گے۔ اسی طرح صدقات کا معاملہ ہے کہ وہ فرض زکوٰۃ کی تکمیل کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ بعض اوقات فرض زکوٰۃ سے فقراء اور مساکین کی حاجات زکوٰۃ سے پوری نہیں ہوتیں تو اغنیاء سے زکوٰۃ کے علاوہ صدقات کی صورت میں مال لیا جائے گا کیونکہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نفلی طور پر مال خرچ کرنا فرض زکوٰۃ، جو کہ دین کا رکن ہے، کے تکملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے محتاجیں کی حاجتیں پوری ہوتیں ہیں۔ اسی طرح دیگر نفلی عبادات (اور نیک اعمال) کا معاملہ ہے کہ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج میں سے کسی نہ کسی اصل کے ذیل میں آتی ہیں اور ان کے تکملے کا باعث بنتی ہیں (۶۴)۔

ب۔ بنیادی اخلاقی اقدار

عام طور پر مصلحت ضروریہ کے ضمن میں اخلاق کا کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ مصالح تحسینیہ کے باب میں محاسن اخلاق کا اجمالاً ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے یہ غلط فہمی ابھرتی ہے کہ اسلام میں تمام اخلاقی فضائل کی حیثیت محض تحسینی و تکمیلی مصالح کی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عبادات کی طرح اخلاق میں بھی اصولی فضائل حفاظت دین کے سلسلہ میں مصالح ضروریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جبکہ نفلی اور ثانوی عبادات کی طرح اضافی، اخلاقی فضائل تحسینیات کے دائرے میں آتے ہیں۔ چنانچہ اخلاص، صدق، امانت، عدل اور استقامت وغیرہ وہ بنیادی اخلاقی اقدار ہیں جن کے بغیر حفاظت دین کا ضروری

احسانی دائرہ کسی صورت تکمیل پذیر نہیں ہوسکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت کی بیسیوں نصوص (٦٥) میں ان اساسی اخلاقی اقدار کو مدار دین اور معیار ایمان ٹھہرایا گیا ہے (٦٦)

حوالہ جات

۱۔ دیکھئے، القاموس المحیط از فیروز آبادی ج ۴ ص ۲۳۵، ط السعادۃ، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، از رافعی ص ۳۱۵، الطبعۃ الأمیریۃ ۱۹۰۹ء النھایۃ فی غریب الحدیث از امام مجد الدین بن الأثیر ج ۲ ص ۱۴۸، عیسی البابی الحلبی۔

۲۔ مفردات الفاظ القرآن از علامہ راغب اصفہانیؒ متوفی ۴۲۵ھ تحقیق: صفوان عدنان داوودی ص ۳۲۳، لفظ ''دین'' دار القلم، دمشق ط اولی ۱۹۹۶ء۔

۳۔ دیکھئے المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیہ از ڈاکٹر یوسف حامد العالم ص ۲۰۷، المعھد العالمی للفکر الاسلامی، ط: أولی (۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۱ء)۔

۴۔ المقاصد العامۃ، سابق حوالہ ص ۲۰۵، بحوالہ المرآۃ فی الأصول ج ۱ ص ۱۱، وکتاب الدین از ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز ص ۹ مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۸۹ھ۔

۵۔ منھاج الأفکار از ڈاکٹر طاہر القادری، ج ۱ ص ۴۰۷۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ سورۃ یوسف (۱۲): ۱۷۔

۸۔ تفسیر المنار ج ۳ ص ۳۷۔

۹۔ لسان العرب ج ۱۶ ص ۱۶۳، تاج العروس ج ۹ ص ۱۲۵، مطبوعہ المطبعہ الخیریۃ۔

۱۰۔ الحجرات (۴۹): ۱۵۔

۱۱۔ سورۃ النحل (۱۶): ۱۰۶۔

۱۲۔ لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ، از ڈاکٹر طاہر القادری، ص ۲۳، ط: لاہور ۱۹۸۸ء۔

۱۳۔ منہاج البخاری، از محمد معراج السلام کتاب الایمان ص ۳۵۔

۱۴۔ سابق حوالہ ص ۴۸۔

۱۵۔ المقاصد العامۃ محولہ بالا ص ۲۰۹، بحوالہ احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۰۳ ط محمد علی صبیح۔

۱۶۔ سورۃ الصف (۶۱: ۹۔

۱۷۔ سورۃ المائدہ (۵): ۳۔

۱۸۔ سورۃ آل عمران (۳): ۱۹۔

۱۹۔ سورۃ آل عمران (۳): ۸۵۔

۲۰۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: المقاصد العامۃ، محولہ بالا ص ۲۱۴، ۲۱۵ و منہاج البخاری، محولہ بالا ص ۳۶۔
۲۱۔ دیکھئے المقاصد العامۃ، محولہ بالا ص ۲۱۷، و ما بعدھا۔
۲۲۔ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۰۸۔
۲۳۔ سورۃ طٰہٰ (۲۰): ۷۲۔۷۳۔
۲۴۔ سورۃ الاحزاب (۳۳): ۲۲۔۲۳۔
۲۵۔ سورۃ آل عمران (۳): ۱۷۳۔
۲۶۔ سورۃ النور (۲۴): ۳۹۔
۲۷۔ سورۃ الفرقان (۲۵): ۲۳۔
۲۸۔ سورۃ ابراہیم (۱۴): ۱۸۔
۲۹۔ سورۃ آل عمران (۳): ۱۹۰۔
۳۰۔ سورۃ فصلت (حم السجدۃ): (۳۷): ۴۱۔
۳۱۔ سورۃ النحل (۱۶): ۱۴۔
۳۲۔ سورۃ الانفطار (۸۲): ۶۔۸۔
۳۳۔ سورۃ الطارق (۸۲): ۵ تا ۷۔
۳۴۔ سورۃ القیامۃ (۷۵): ۳۶۔۳۷۔
۳۵۔ ان فوائد کی تفصیل کے لیے دیکھئے: ''اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی''، از سید ابوالاعلیٰ مودودی
۳۶۔ سورۃ الاعراف (۷): ۱۷۲۔
۳۷۔ سورۃ النساء (۴): ۱۶۵۔
۳۸۔ سورۃ الحدید (۵۷): ۹۔
۳۹۔ سورۃ الحدید (۵۷): ۲۵۔
۴۰۔ سورۃ الأنبیاء (۲۱): ۱۰۷۔
۴۱۔ اجزائے ایمان از ڈاکٹر طاہر القادری ص ۱۶۲۔
۴۲۔ سورۃ الحجر (۱۵): ۹۔
۴۳۔ المائدہ (۵): ۶۹۔
۴۴۔ سورۃ آل عمران (۳): ۱۰۲۔
۴۵۔ سورۃ المزمل (۷۳): ۱۷۔

۴۶۔ سورۃ البقرہ (۲):۱۵۴۔

۴۷۔ سورۃ الزمر (۳۹):۱۰۔

۴۸۔ سورۃ البقرۃ (۲):۱۹۵۔

۴۹۔ سورۃ البقرۃ (۲):۲۷۲۔

۵۰۔ سیرت النبی ﷺ از سید سلیمان ندویؒ ج ۵ ص ۴۴۔

۵۱۔ دیکھیے: المقاصد العامۃ بحوالہ ص ۲۳۸۔

۵۲۔ دیکھیے: سابق حوالہ۔

۵۳۔ سورۃ التوبۃ (۹):۲۴۔

۵۴۔ البقرہ (۲):۲۱۔

۵۵۔ سیرت النبی ﷺ محولہ بالا ج ۵، ص ۴۷۔

۵۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے المقاصد العامۃ ص ۲۳۸۔

۵۷۔ دیکھیے سابق حوالہ ص ۲۳۵۔۲۳۶۔

۵۸۔ عقائد و نظریات از انوار ہاشمی ص ۲۵۲، علی بک ڈپو، کراچی ۱۹۶۸ء۔

۵۹۔ سورۃ الذاریات ۵۱:۵۶۔

۶۰۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ارکان الاسلام خمس۔

۶۱۔ سیرت النبی ﷺ ج ۵ ص ۵۱ تا ۵۲۔

۶۲۔ سیرت النبی ﷺ ج ۵ ص ۵۴ تا ۵۵۔

۶۳۔ نیل الأوطار ج اص ۳۴۵۔

۶۴۔ المقاصد الحسنہ۔

۶۵۔ اخلاقی اقدار سے متعلقہ قرآن و سنت کی نصوص کے لیے دیکھئے: سیرت النبی ﷺ، از سید سلیمان ندویؒ ج ۶ ص ۳۰۹۔۵۱۴۔

۶۶۔ اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت ص ۱۶۳۔